تدبّرِ قرآن

۷۹

النّٰزِعٰت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود

اس سورہ میں بھی قریش کے ان متمردین کو انذار ہے جو عذاب اور قیامت کو بالکل بعید از امکان، محض ایک دھمکی خیال کرتے تھے۔ ہواؤں اور بادلوں کے عجائب تصرفات شہادت میں پیش کر کے ان کو آگاہ فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی پکڑ سے محفوظ نہ سمجھو اور رسول کو جھٹلانے کی جسارت نہ کرو۔ تم اسی وقت تک محفوظ ہو جب تک خدا نے تم کو مہلت دے رکھی ہے۔ جونہی یہ مہلت ختم ہوئی خدا کی پکڑ میں آجاؤ گے اور اس کے لیے خدا کو کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑے گا۔ یہی ہوائیں اور یہی بادل جو ہر جگہ موجود اور تمھاری زندگی کے لیے ناگزیر ہیں، قہر الٰہی کی شکل اختیار کر لیں گے اور تمھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

تمہید اور مطالب کے اعتبار سے یہ سورہ، سورۂ ذاریات اور سورۂ مرسلات سے ملتی جلتی ہوئی ہے۔ دنیا میں خدا کی پکڑ اور اس کی قدرت و ربوبیت کی جو شانیں بالکل نمایاں ہیں وہ اس امر کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ ایک الیسادن لازماً آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان سرکشوں کو سزا دے گا جنھوں نے اس کے حکموں سے سرتابی کی اور ان لوگوں کو اپنی ابدی رحمت سے نوازے گا جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرتے اور اپنی خواہشوں کو لگام لگاتے رہے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۱-۵) ہواؤں اور بادلوں کی شہادت اس امر پر کہ اللہ کا رسول دنیا اور آخرت کے جس عذاب سے آگاہ کر رہا ہے اس کا واقع ہونا ذرا بھی مستبعد نہیں ہے۔ جس خدا کے ہاتھ میں ہواؤں اور بادلوں کی باگ ہے وہ ان کو جس کے لیے چاہے رحمت اور جس کے لیے چاہے عذاب بنا دے۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز بھی بعید نہیں ہے۔ دنیا میں رسولوں کے مکذّبین کی جو تاریخ موجود ہے وہ شہادت دیتی ہے کہ ایک دن سب کو اپنے رب کے آگے حساب و کتاب کے لیے پیش ہونا ہے۔

(۶-۱۴) قیامت کی ہلچل اور اس دن اس کے جھٹلانے والوں پر جو گزرے گی اس کی تصویر۔

(۱۵-۲۶) قریش کے فراعنہ کی تنبیہ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت کے اتنے حصہ کی یاددہانی جس کے لیے سورہ کا عمود مقتضی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ناصحانہ انداز میں فرعون کو راہِ حق پر لانے کی کوشش کی لیکن اس نے اکڑ دکھائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی پکڑ میں آگیا۔ اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی بڑا اہتمام نہیں کرنا پڑا۔ ہواؤں کے معمولی تصرّف ہی نے اس کا سارا بیڑا غرق کر دیا۔

(۲۷-۳۳) اس بات کی دلیل کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کو از سرِ نو پیدا کر دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ جس نے آسمان و زمین پیدا کیے، رات اور دن نمودار کیے، لوگوں کی پرورش کے لیے طرح طرح کے سامان مہیا کیے اس کے لیے لوگوں کو دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ اس کی قدرت دلیل ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس کی حکمت مقتضی ہے کہ وہ ایسا کرے۔

(۳۴-۴۱) باغیوں اور نافرمانوں کو اس دن جس انجام سے سابقہ پیش آئے گا اس کا بیان۔ ان کے بالمقابل اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو جو صلہ ملے گا اس کی بشارت۔

(۴۲-۴۶) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ جو لوگ تمھیں زچ کرنے کو قیامت کی تاریخ اور اس کے دن کی بابت سوال کرتے اور اس کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں تم ان کی باتوں کا دھیان نہ کرو۔ قیامت کے دن اور اس کی تاریخ کا معاملہ تم سے متعلق نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو۔ تم اس کے ظہور کا دن معیّن کرنے نہیں آئے ہو، بلکہ اس سے لوگوں کو آگاہ کرنے آئے ہو۔ آج جن کو قیامت بہت بعید معلوم ہو رہی ہے جب وہ اس کو دیکھیں گے تو محسوس کریں گے کہ دنیا میں ایک سہ پہر یا ایک دوپہر سے زیادہ نہیں رہے۔

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ

مَكِّيَّةٌ —— اٰيَات : ٤٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ اٰيات ١ - ٤٦
سَبْحًا ۙ ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ ﴿٥﴾ يَوْمَ وقف لازم
تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ
وَّاجِفَةٌ ۙ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ وقف لازم
فِي الْحَافِرَةِ ؕ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ
اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ ﴿١٣﴾ فَاِذَا وقف لازم
هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ ﴿١٤﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ وقف لازم
رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
طَغٰى ۖ ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ
فَتَخْشٰى ۚ ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۖ ﴿٢١﴾ ثُمَّ
اَدْبَرَ يَسْعٰى ۖ ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ ﴿٢٤﴾
فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ؕ ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً
لِّمَنْ يَّخْشٰى ۧ ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ ع ٢٦

سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾
وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾
وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ
الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ
بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ
مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ
الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ
اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ
مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً
اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع ۲

ترجمہ آیات ۱-۴۶

شاہد ہیں جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے والی ہوائیں۔ اور شاہد ہیں آہستہ چلنے والی ہوائیں اور شاہد ہیں فضاؤں میں تیرنے والے بادل، پھر ایک دوسرے پر سبقت کرنے والے اور خدا کے حکم نازل کرنے والے (کہ جس چیز سے تمھیں ڈرایا جا رہا ہے وہ شدنی ہے) ۱-۵

اس دن سے ڈرو جس دن کپکپی پڑے گی۔ اس کے پیچھے ایک دوسرا جھٹکا آئے گا۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں پست ہوں گی ۶-۹

پوچھتے ہیں کیا ہم پھر پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے! کیا جب کہ ہم کھنکھناتی

ہڈیاں ہو چکیں گے! کہتے ہیں، یہ لوٹایا جانا تو بڑے ہی خسارے کا ہوگا!! ۱۰-۱۲
وہ تو بس ایک ہی ڈانٹ ہوگی کہ دفعتہً وہ میدان میں آموجود ہوں گے۔ ۱۳-۱۴
کیا موسیٰ کی سرگزشت تمھیں پہنچی ہے؟ جب کہ اس کے رب نے وادیٔ مقدّس ــــ طویٰ ــــ میں اس کو پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تم میں کچھ اپنے کو سدھارنے کا جذبہ ہے؟ کیا میں تمھیں تمھارے رب کی راہ دکھاؤں کہ تم اس سے ڈرنے والے بنو؟ پس اس کو ایک بڑی نشانی دکھائی تو اس نے جھٹلایا اور بات نہ مانی۔ پھر پلٹا اپنی سرگرمیوں کو تیز کرتے ہوئے۔ پس جمع کیا اور اعلان کیا کہ تمھارا ربِّ اعلیٰ تو میں ہوں۔ پس اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ بے شک اس میں سبق ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈر رکھنے والے ہیں۔ ۱۵-۲۶

کیا تمھارا بنانا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اس کو اٹھایا، اس کے گنبد کو بلند کیا، پس اس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ اس کی رات ڈھانک دی اور اس کے دن کو بے نقاب کیا اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا۔ نکالا اس سے اس کا پانی اور چارہ اور پہاڑوں کو اس میں گاڑا۔ تمھاری اور تمھارے مویشیوں کی نفع رسانی کے لیے۔ ۲۷-۳۳

پس جب وہ بڑا ہنگامہ برپا ہوگا (تو یہ سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا)، اس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا اور دوزخ ان لوگوں کے لیے بے نقاب کر دی جائے گی جن کو اس سے دوچار ہونا ہے۔ تو جس نے سرکشی کی اور آخرت

کے بالمقابل دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا تو بس جہنم ہی بنے گی۔ اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو خواہش کی پیروی سے روکا تو اس کا ٹھکانا لاریب جنت ہے۔ ۳۴-۴۱

وہ قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب کھڑی ہوگی؟ تم اس بحث میں کہاں پڑے ہو! یہ معاملہ تو تیرے رب کے حوالہ ہے۔ تم تو بس ان لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے والے ہو جو اس سے ڈریں۔ جس روز وہ اس کو دیکھیں گے تو گویا انھیں ایک شام یا اس کی صبح سے زیادہ وقفہ نہیں گزرا۔ ۴۲-۴۶

الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (۱-۲)

'نٰزِعَاتٌ' اور 'نَاشِطَاتٌ' کی تاویل میں یوں تو متعدد اقوال منقول ہیں لیکن غالب رائے یہ ہے کہ ان سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی جانیں سختی سے اور اہل ایمان کی جانیں نہایت نرمی سے نکالتے ہیں۔ 'نازعات' سے مراد

اگرچہ اس قول کو شہرت حاصل ہے لیکن اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس باب میں جو روایات ہیں وہ بالکل تفسیری نوعیت کی ہیں، جن کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بنیاد پر کوئی بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکے۔ قرآن میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اس قول کے حق میں کوئی تائید نکلتی ہو۔ اہل کفر اور اہل ایمان کی جانوں کے نکالنے کا معاملہ تمام تر ایک روحانی و باطنی کیفیت سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے، وہ کوئی ایسی عام مشاہدے میں آنے والی چیز نہیں ہے کہ اس کو کسی دعوے پر بطور حجت پیش کیا جا سکے درآنحالیکہ یہ قسمیں یہاں بطور شہادت کھائی گئی ہیں۔ مفسرین کے نزدیک چونکہ ضروری ہے کہ قسم کسی مبارک و مقدس چیز کی ہو اس وجہ سے انھیں ان الفاظ سے فرشتوں کو مراد لینے کا تکلف کرنا پڑا لیکن ہم برابر واضح کرتے آ رہے ہیں کہ قرآن میں قسمیں بالعموم کسی دعوے پر بطور شہادت آئی ہیں۔ ان کے اندر نمایاں پہلو دعوے پر دلیل کا ہوتا ہے۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ کوئی مقدس چیز ہے یا غیر مقدس۔

ہمارے نزدیک 'نازعات' سے مراد وہ تند ہوائیں ہیں جو درختوں، مکانوں اور گری ہوئی چیزوں کو اپنے زور سے اکھاڑ پھینکتی ہیں۔ اس طرح کی ہواؤں کی صفت کے طور پر 'ذاریات'، 'مرسلات'، اور 'عاصفات' وغیرہ الفاظ بھی قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ 'ذَرْوًا'، 'عُرْفًا' اور 'عَصْفًا' کے الفاظ بطور تاکید آئے ہیں۔ اسی طرح یہاں لفظ 'نازعات' ان تند ہواؤں کے لیے استعمال ہوا ہے جو درختوں اور مکانوں کو اکھاڑ پھینکتی ہیں۔ اس کے ساتھ لفظ 'غَرْقًا' معنی کی شدت کے اظہار کے لیے بطور تاکید ہے۔

قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے باد تند کا جو عذاب مسلط فرمایا اس کی تصویر سورۂ قمر میں یوں کھینچی گئی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا	ہم نے ان پر ایک طویل نحوست کے زمانے میں
فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۙ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ	باد صرصر مسلط کر دی جو لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی
اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ (القمر-۵۴: ۱۹-۲۰)	گویا وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہوں۔

یہاں فعل 'تَنۡزِعُ' استعمال ہوا ہے اسی سے اس سورہ میں 'نازعات' بطور صفت استعمال ہوا ہے۔

'ناشطات' سے مراد 'نَاشِطَاتٌ' 'نَشط' کے مادہ سے ہے جس کے معنی کسی کام کو نرمی سے کرنے کے بھی آتے ہیں اور کسی رسی کی گرہ یا کسی جانور کے بندھن کو چرنے چگنے کے لیے چھوڑ دینے کے معنی میں بھی۔ یہاں قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ نرم رو اور آہستہ خرام ہواؤں کے لیے آیا ہے جس طرح سورۂ ذاریات میں 'فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا' کے الفاظ آئے ہیں۔

یہ امر واضح رہے کہ تند اور نرم رو ہواؤں کے عمل کی ظاہری نوعیت، اگرچہ الگ الگ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عجائبات تصرّف کی شانیں دونوں کے اندر نمایاں ہیں۔ سورۂ ذاریات میں سیاقِ کلام اور ہے اس وجہ سے ہوا کی نرم روی کا ذکر بارش کے مقدمہ کے طور پر آیا ہے۔ یہاں اس کا ذکر مستقلاً ہوا ہے اس وجہ سے یہ رحمت اور نقمت دونوں کو محتمل ہے۔ رحمت کے لیے اس کا محتمل ہونا تو بالکل واضح ہے کہ ہوا کی مروحہ جنبانی ہی زندگی اور راحت و نشاط کا ذریعہ ہے لیکن اس کا رحمت یا نقمت بننا کلیتہً اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہتا ہے تو بعض اوقات اس کی نرم روی کو بھی عذاب بنا دیتا ہے۔ چنانچہ آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت بیان ہوئی ہے جس سے اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے تند پوربی ہوا کے تصرف سے نجات دی اور اسی ہوا کے سکون کو فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی کا ذریعہ بنا دیا۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا (۳-۵)

'سٰبِحٰتٌ' 'سَبۡحٌ' سے ہے جس کے معنی تیرنے کے بھی آتے ہیں۔ قرینہ اشارہ کر رہا ہے کہ یہاں یہ بادلوں کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ اول تو ہواؤں اور بادلوں کا تعلق ہے ہی کچھ لازم و ملزوم سی چیز لیکن ایک واضح قرینہ یہاں یہ ہے کہ اس کے بعد اس کی دو صفتیں جو مذکور ہوئی ہیں وہ 'ف' کے ساتھ مذکور جو عربیت کے قاعدے سے اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ صفتیں 'سٰبِحٰت' ہی کی ہیں اور ان میں باہم دگر ترتیب بھی ہے۔ اس قاعدے کی وضاحت پچھلی سورتوں میں ہو چکی ہے۔

یہ آیات غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ 'فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا' کے الفاظ میں بادنیٰ تغیرِ الفاظ وہی بات فرمائی گئی ہے جو سورۂ ذاریات میں 'فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ۙ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا' کے الفاظ میں اور سورۂ مرسلات میں 'فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا' کے لفظوں میں فرمائی گئی ہے۔ مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ بادلوں سے لدی ہوئی ان ہواؤں کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس سرزمین کی طرف چلتی ہیں جس کے لیے حکم ہوتا ہے اور پھر وہ امر الٰہی کی تقسیم کرتی ہیں یعنی جن کے لیے جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتی ہیں۔ کسی علاقے پر وہ رحمت بن کر برستی ہیں اور کسی کے لیے عذاب بن جاتی ہیں۔ کسی جگہ جل تھل کر دیتی ہیں اور کسی جگہ کو خشک یا تشنہ چھوڑ

جاتی ہیں۔ گویا جو بات سورۂ ذاریات میں فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا کے الفاظ سے فرمائی گئی ہے وہی بات یہاں فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے۔

اس سے پہلے فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا کے الفاظ بادلوں کی اس بھاگ دوڑ کی تصویر پیش کر رہے ہیں جو فضا میں اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب ان کے مختلف دستے ایک دوسرے پر سبقت کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب اپنے غیبی حاکم کے حکم کی تعمیل میں سرگرم تگاپو ہیں اور ہر ایک اس بات کا آرزومند ہے کہ امتثالِ امر میں اول نمبر اسی کا رہے۔

مقسم علیہ محذوف ہے

ان قسموں کا مقسم علیہ یہاں لفظوں میں مذکور نہیں ہے بلکہ محذوف ہے۔ مقسم علیہ کے محذوف ہونے کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ سورۂ صٓ، سورۂ قٓ اور سورۂ قیامہ سب میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مقسم علیہ حذف کر دیا گیا ہے۔ جہاں ذکر کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو وہاں حذف ہی اولیٰ ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ قیامت کی ہلچل کا ذکر آگے تفصیل سے موجود ہے، جو مقسم علیہ کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے، اس وجہ سے اس کے ذکر کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس محذوف کو کھولنا چاہیں تو سورۂ مرسلات کی روشنی میں اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کے الفاظ یہاں محذوف مان سکتے ہیں۔ گویا تند اور نرم ہواؤں اور بادلوں کے عجائب تصرفات کو شہادت میں پیش کیے کے قریش کے متمردین کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ تمھیں جس عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو بعید از امکان نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ جب اس کو لانا چاہے گا تو اس کے لیے کوئی خاص اہتمام اس کو نہیں کرنا پڑے گا۔ اس کی ہواؤں اور اس کے بادلوں کے تصرفات کی جو تاریخ موجود ہے اور جو تمھیں سنائی بھی جا چکی ہے اگر اسی سے سبق حاصل کرو تو وہی تمھارے لیے کافی ہے۔ تم سے کہیں زیادہ طاقتور قومیں اس زمین پر بسی ہیں جن کو خدا نے اپنی ہواؤں ہی کے ذریعہ سے خس و خاشاک کی طرح اڑا دیا۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (۶-۷)

یہ مقسم علیہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے، بلکہ اس دن کی یاددہانی ہے جس دن اس عذاب سے سابقہ پیش آئے گا جس سے ان کو ڈرایا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اپنی قوموں کو دو عذابوں سے ڈرایا ہے۔ ایک اس عذاب سے جس سے قیامت کے دن دوچار ہونا پڑے گا۔ دوسرے اس عذاب سے جس سے اسی دنیا میں قوم کو سابقہ پیش آتا ہے، اگر وہ اپنے رسول کی تکذیب کر دیتی ہے۔

قیامت کے عذاب کی یاددہانی

پہلے آیات ۶-۱۴ میں عذابِ قیامت کی تصویر ہے اس کے بعد آیات ۱۵-۱۷ میں اس عذاب کی تاریخی شہادت پیش کی گئی ہے جو تکذیبِ رسول کے نتیجہ میں اس دنیا میں پیش آتا ہے۔ دن کی عذابِ قیامت کا ذکر یہاں اس لیے مقدم کر دیا ہے کہ اصل عذاب وہی ہے جس سے ہر ایک کو ہوشیار

رہنا چاہیے۔ وہ دائمی اور ابدی ہے۔ اس کے ہوتے دنیا کا عذاب نہ بھی ہو جب بھی کسی کے لیے کوئی اطمینان کا پہلو نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید اہتمام ہے کہ وہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر اس دنیا میں بھی عذاب نازل کرتا ہے۔

یہاں 'یوم' سے پہلے فعل محذوف ہے۔ یعنی اس دن کو یاد رکھو یا اس کے ہم معنی کوئی فعل۔

'رَاجِفَۃٌ' کے معنی کپکپی اور زلزلہ کے ہیں اور 'رَادِفَۃٌ' کے معنی پہلے جھٹکے کے بعد دوسرے جھٹکے کے۔ قیامت کی ہلچل، جیسا کہ دوسرے مقامات میں وضاحت ہو چکی ہے، صور کی دو پھونکوں میں مکمل ہوگی۔ یہاں انہی دونوں پھونکوں کے اثرات کی طرف اشارہ ہے۔ مقصود اس سے مکذّبینِ قیامت پر اس حقیقت کا اظہار ہے کہ قیامت کے ظہور کو بہت مستبعد اور ناممکن نہ سمجھو۔ بس دو جھٹکوں میں یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (۸-۹)

اس دن کا اثر لوگوں کے دلوں پر

اوپر کی آیات میں اس دن کی ہلچل کے وہ اثرات بیان ہوئے ہیں جو اس کائنات میں نمودار ہوں گے۔ ان آیات میں اس کے ان اثرات کی طرف اشارہ ہے جو ارواح و قلوب پر طاری ہوں گے۔ فرمایا کہ اس دن کتنے دل ہوں گے جو دھڑک رہے ہوں گے اور ان کی نگاہیں سراسیمگی کے سبب سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ یہ ان لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو اس دن سے نچنت رہے اور جب انھیں اس سے ڈرایا جاتا تو نہایت ڈھٹائی سے اس کا مذاق اڑاتے۔ رہے وہ لوگ جو اس دنیا میں، اس عذاب کو دیکھے بغیر، اس سے ڈرتے رہے وہ، جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات میں تصریح ہے، اس دن کی گھبراہٹ سے بالکل محفوظ ہوں گے۔

'اَبْصَارُهَا' میں ضمیر کا مرجع 'قُلُوْبٌ' ہے۔ آدمی کے اندر دل ہی وہ چیز ہے جس سے اس کی شخصیت عبارت ہے اور جس کی کیفیات کی ترجمانی اس کے بدن کا رواں رواں کرتا ہے۔ خاص طور پر اس کی آنکھ تو وہ چیز ہے جس کے آئینہ میں اس کے دل کی مخفی سے مخفی کیفیت بھی جھلکتی ہے۔ دل کے ساتھ آنکھوں کے اس تعلق کے سبب سے ان کی اضافت دل کی طرف کر دی ہے۔

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۞ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۞ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (۱۰-۱۲)

کفار کے استہزاء کی تصویر

یہ تصویر ہے ان کے اس مذاق کی جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا ذکر سن کر وہ نہایت بے باکی سے کرتے۔

'حَافِرَۃٌ' کے اصل معنی نقشِ قدم کے ہیں لیکن محاورے میں اگر کہیں کہ 'فلان رجع علی حافرتہ او فی حافرتہ' تو اس کے معنی ہوں گے کہ فلاں شخص جس حال میں تھا اس سے نکل کر پھر الٹے پاؤں

اسی میں واپس آ گیا۔

یعنی جب انھیں ڈرایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد حساب کتاب کے لیے زندہ کیے جاؤ گے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور ایک دوسرے سے باندازِ استہزاء پوچھتے ہیں کہ کیوں جی! کیا مر جانے اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد پھر ہم زندگی کی حالت میں لوٹائے جائیں گے!

'ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً' میں استفہام کا اعادہ ان کی افزونیِ حیرت کو ظاہر کرتا ہے کہ اول تو مرنے کے بعد از سرِ نو زندہ کیے جانے کا تصور ہی عجیب ہے لیکن اس سے بھی عجب تر ماجرا یہ ہے کہ جب ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو کر خاک میں مل جائیں گی تب لوگ زندہ کیے جائیں گے! ـــــ مطلب یہ ہے کہ بھلا ایسی بعید از عقل و قیاس بات کون مان سکتا ہے!

'قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ' یعنی مذاق اڑانے کے بعد ذرا سنجیدہ موڈ بنا کر یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ بات، جو یہ ملا کہتے ہیں سچی نکلی تب تو یہ بڑی ہی نامرادی اور بڑے ہی خسارے کا لوٹنا ہوگا!

اگرچہ یہ بات سنجیدہ موڈ بنا کر کہتے وہ مذاق ہی کے طور پر لیکن یہ ان کے باطن کی غمازی بھی کرتی ہے کہ قیامت کی تکذیب پر ان کا دل مطمئن نہیں تھا۔ وہ اس کے دلائل کے وزن کو محسوس کرتے اور اس کے انکار کے عواقب سے ڈرتے لیکن زندگی کی لذتوں کو طلاق دے کر ان کی طبیعت ادھر آنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے اس خطرے کو ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ قیامت ہوئی تو ہے تو یہ بہت بڑا خطرہ لیکن جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا، ابھی سے اس کی فکر میں اپنے اوپر نیند حرام کیوں کی جائے! یہ امر یہاں واضح رہے کہ بے فکروں کا اصلی فلسفہ یہی ہے جس پر وہ زندگی گزارتے ہیں حالانکہ آخرت کا گمان اگر کسی درجے میں بھی ہے تو پھر دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی اس کو پیش نظر رکھ کر ہی زندگی گزارے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (۱۳-۱۴)

یعنی جو سخن سازیاں یہ کرنی چاہتے ہیں کر لیں اور جتنے محالات پیدا کر سکتے ہیں کر لیں لیکن یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جب ان کو اٹھانا چاہے گا تو نہ اس کو کوئی اہتمام کرنا پڑے گا، نہ اس میں ایک لمحہ کی تاخیر واقع ہوگی۔ صرف ایک ہی ڈانٹ میں یہ قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں موجود ہوں گے۔

'سَاهِرَةٌ' ہموار زمین اور کھلے میدان کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے میدانِ حشر مراد ہے۔ 'ایک ڈانٹ' سے اشارہ یہاں صور کے دوسرے نفخہ کی طرف ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ زمر میں یوں فرمائی ہے:

'ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ' (الزمر - ۳۹: ۶۸) (پھر اس صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو وہ دفعتہً اٹھ کر تاکنے لگیں گے)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (۱۵-۱۶)

تکذیبِ رسول کے نتیجہ میں جو عذاب آتا ہے اس کی شہادت

اوپر کے پیرے میں عذابِ قیامت کی تصویر تھی۔ اب یہ اس عذاب کی تاریخی شہادت کا حوالہ ہے جس سے رسولوں کے جھٹلانے والوں کو اس دنیا میں سابقہ پیش آیا ہے۔ اس کے لیے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت کا انتخاب فرمایا ہے جو سب سے زیادہ مشہور و معروف شہادت ہے۔

'ھَلْ اَتٰىكَ' کا سوال محض سرگزشت کی عبرتوں کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے اور واحد کا خطاب ضروری نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہو بلکہ ہم جگہ جگہ وضاحت کرتے آرہے ہیں کہ یہ خطاب عام بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سرگزشت کے آخر میں فرمایا بھی ہے کہ 'اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى' (۲۶) (بے شک اس سرگزشت کے اندر ان لوگوں کے لیے بڑا درسِ عبرت ہے جو خدا کی گرفت سے ڈرنے والے ہیں)۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشتِ حیات کے اس ماجرے کی طرف اشارہ ہے جب وہ مدین سے واپس ہوتے ہوئے طور کے دامن میں پہنچے ہیں اور آگ کی چمک دیکھ کر آگ لینے یا لاستہ معلوم کرنے کے لیے رات کے اندھیرے میں، وادیٔ طویٰ کی طرف گئے ہیں اور وہاں ان کو ایک درخت سے آواز آئی ہے کہ اے موسیٰ، میں تمھارا رب ہوں۔ میں نے تمھیں ایک کارِ عظیم کے لیے منتخب کیا تو تم فرعون کے پاس میرے رسول کی حیثیت سے جاؤ اور اس کو میرا پیغام پہنچاؤ۔

یہ سرگزشت یہاں چھوٹی چھوٹی کل بارہ آیتوں میں بیان ہوئی ہے لیکن قرآن کے ایجازِ بیان کا اعجاز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے سے لے کر فرعون کے غرق ہونے تک کے سارے مراحل اس میں اس طرح بیان ہو گئے ہیں کہ کوئی ایسا پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے جو مخاطبوں کی سبق آموزی کے لیے ضروری ہو۔

'اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى' (۱۷-۱۹)

یہ وہ پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے کر فرعون کے پاس بھیجا۔ فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔ 'طَغٰى' سے مراد یہاں اس کے ربِّ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ اور بنی اسرائیل کے ساتھ جبارانہ رویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کسی کا یہ دعویٰ کہ وہ لوگوں کا ربِّ اعلیٰ ہے سب سے بڑی بغاوت ہے۔ اس بغاوت کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی خاص سند کے ساتھ اس کے پاس بھیجا کہ وہ پہلے اس کو نرمی کے ساتھ راہِ راست اختیار کرنے کی دعوت دیں، اگر سمجھ جائے تو فبہا ورنہ اس کے انجام سے اس کو آگاہ کر دیں۔

'فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى' یعنی اس سے کہو کہ کیا تم میں کچھ رغبت پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی ہے کہ میں تمھیں اس کا طریقہ بتانے کی کوشش کروں؟ اس فقرے پر غور فرمائیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں بیک وقت انتہائی درجے کی ناصحانہ شفقت بھی ہے اور ساتھ ہی وہ عظمت و جلالت بھی جو اللہ تعالیٰ یا اس کے سفیر کے

کلام میں ہونی چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تک تمھاری جو روش رہی ہے وہ تو یہی بتاتی ہے کہ تم سے کسی خیر کی توقع نہ رکھی جائے لیکن اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ اب بھی گنجائش ہے کہ اگر تم سلامت روی کی زندگی اختیار کرنے کی رغبت ظاہر کرو تو یہ رستہ تم کو دکھانے کی کوشش کی جائے۔

فرعون کو حصول تزکیہ کی دعوت

لفظ 'تَزَکّٰی' یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی خود سری، انانیت اور ظلم اور جور سے پاک زندگی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بندے کی ہوتی ہے۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصد لوگوں کے نفوس کا تزکیہ ہی رہا ہے۔ یہ کام انھوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی آیات کے ذریعہ سے انجام دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ارشاد ہے کہ 'هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ' (الجمعۃ ۶۲: ۲) (وہی ہے جس نے بھیجا امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو سناتا ہے اس کی آیات اور ان کو پاکیزہ بناتا ہے) اپنے اسی مقصد کا اظہار حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے فرمایا کہ اگر تم خدائی کے پندار سے ذرا الگ ہو کر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو تو میں تم کو اللہ کی کچھ باتیں سناؤں۔

'وَاَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى' یعنی اس وقت تو تمھارے اوپر اپنی خدائی کا بھوت سوار ہے اس وجہ سے بالکل بگٹٹ چل رہے ہو لیکن بات سننے اور سمجھنے کا کچھ شوق ہو تو میں بتاؤں کہ تمھارا اور تمام جہان کا رب کون ہے جس سے سب کو ڈرنا چاہیے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ پاکیزہ زندگی خدا کی خشیت سے اور خدا کی خشیت اس کی صحیح معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دو فقروں میں فرعون کو اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔

فَاَرٰىهُ الْاٰیَةَ الْکُبْرٰی (۲۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ باتیں چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے فرمائیں اور ساتھ ہی فرعون کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ وہ اپنے پاس خدا کے رسول ہونے کی سند بھی رکھتے ہیں تو فرعون نے کہا کہ میں تو اپنے سوا کسی اور رب سے واقف نہیں، اگر تمھارے پاس خدا کے رسول ہونے کی کوئی سند ہے تو وہ دکھاؤ۔ اس کے اس مطالبے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بڑی نشانی دکھائی۔ 'بڑی نشانی' سے اشارہ عصا کی نشانی کی طرف ہے۔ اس کو بڑی نشانی سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ ید بیضاء کے سوا ان کے سارے معجزات درحقیقت اسی کے اندر مضمر تھے اور اسی کے ذریعہ سے ظاہر ہوئے۔

فَکَذَّبَ وَعَصٰی (۲۱)

فرعون کی سرگزشت آیات ۱۸-۱۹

یعنی اس معجزہ کو دیکھنے کے بعد بھی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا رسول تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کو ساحر اور مفتری ٹھہرایا اور ان کی تکذیب کر دی۔ 'وَعَصٰی'، یعنی اس دعوت کو جو اوپر آیات ۱۸-۱۹

میں مذکور ہوئی ماننے سے انکار کر دیا۔

ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی (۲۲)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر ہٹا تو ان کو شکست دینے کی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں ان سرگرمیوں کی تفصیل موجود ہے۔ اس نے چاہا کہ جادوگروں سے مقابلہ کرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو شکست دی جائے لیکن درباریوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے یہ رائے دی کہ یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) بڑے ماہر جادوگر ہیں، عام جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرانا شکست اور جگ ہنسائی کا سبب ہو سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مملکت کے تمام اطراف کے ماہر جادوگروں کو دعوت دی جائے اور ایک کھلے میدان میں ان دونوں سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کیا گیا لیکن اس کا نتیجہ شدید ناکامی کی صورت میں نکلا۔

فَحَشَرَ فَنَادٰی ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (۲۳-۲۴)

یہ فرعون کی اس تدبیر کی طرف اشارہ ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لیے سب سے آخر میں اختیار کی ہے۔ سورۂ زخرف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مصر پر کوئی آفت آتی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتا کہ وہ اپنے رب سے دعا کریں کہ یہ بلا ٹل جائے، اگر ان کی دعا سے یہ بلا ٹل گئی تو وہ ان کا مطالبہ ضرور تسلیم کرے گا لیکن جب وہ بلا ٹل جاتی تو وہ پھر اپنے وعدے سے مکر جاتا۔ اس کی بار بار کی اس روش کا اثر یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کا اثر خود قبطیوں میں بہت بڑھنے لگا۔ اس سے گھبرا کر فرعون نے قوم کے تمام بااثر افراد کو جمع کیا اور ان کے اندر اپنا اثر بحال کرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر اس نے جو تقریر کی اسی کی طرف یہاں اجمالی اشارہ ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ زخرف میں ہے:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا کہ کیا مصر کی بادشاہی اور یہ نہریں جو میرے نیچے جاری ہیں، میرے لیے نہیں ہیں؟ کیا تم لوگ دیکھ نہیں رہے ہو؟ تو یہ بہتر ہوا یا میں اس سے بہتر ہوں جو ایک حقیر آدمی ہے اور اپنی بات کھل کر کہہ بھی نہیں سکتا؟ (اگر یہ خدا کا رسول ہے) تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس پر سونے کے کنگن اتارے جاتے یا اس کے ساتھ فرشتے پرے باندھ کر آتے؟ ان باتوں سے

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الزخرف - ۴۳: ۵۱ - ۵۵)

اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا لیا اور وہ تھے ہی نافرمان لوگ۔ تو جب انھوں نے ہم کو غصہ دلا دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پس ان سب کو غرق کر دیا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى (۲۵)

'نَكَالَ' کے معنی عبرت انگیز عذاب کے ہیں۔ یعنی جب اس نے سب کچھ دیکھا اور سن لینے کے بعد بھی اپنی سرکشی ہی پر اصرار کیا تو اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب میں پکڑا۔ دنیا میں وہ سمندر کی موجوں کے حوالہ ہوا اور آخرت میں جہنم کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (۲۶)

یہ وہ مقصد بیان ہوا ہے جس کے لیے یہ سرگزشت سنائی گئی ہے۔ فرمایا کہ اس میں ان لوگوں کے لیے بڑا درسِ عبرت ہے جو خدا کی پکڑ سے ڈرنے والے ہوں۔ بات اگرچہ عام صیغہ سے فرمائی گئی ہے لیکن اشارہ خاص طور پر قریش کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر کچھ خوفِ خدا ہے تو وہ اس سے سبق حاصل کریں اور دانش مند وہی ہے جو دوسروں کے انجام سے سبق حاصل کرے نہ کہ خود اپنے اوپر سیلابِ بلا گزر جانے کا انتظار کرے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا (۲۷)

آسمان و زمین کی نشانیوں سے استدلال

اب آگے کی سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور ربوبیت کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو آسمان و زمین کے ہر گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اس دنیا کا خالق ایسی عظیم قدرت والا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا کام بھی اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔ جب وہ آسمان جیسی عظیم چیز کو پیدا کر سکتا ہے تو لوگوں کے مر کھپ جانے کے بعد ان کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا اس کے لیے کیا دشوار ہے؟ اسی طرح آسمان سے لے کر زمین تک اپنی ربوبیت کا جو اہتمام اس نے پھیلا رکھا ہے وہ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ لوگوں کو غیر مسئول نہیں چھوڑے گا بلکہ ایک دن لازماً سب کو اکٹھا کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ کس نے اس کی نعمتوں کا حق پہچانا اور کس نے ناشکری کی اور پھر ان کے اعمال کے مطابق ان کو جزا یا سزا دے گا۔ گویا منکرین قیامت کے جس شبہے کا آیات ۱۰ - ۱۲ میں حوالہ دیا گیا ہے اس کا جواب بھی دے دیا گیا اور ساتھ ہی قیامت کی ضرورت اور حکمت بھی واضح فرما دی گئی ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا۔ فرمایا کہ اگر تمھیں اس بات پر تعجب ہے کہ مرنے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد تم دوبارہ کس طرح زندہ کیے جا سکتے ہو تو سوچو کہ یہ عظیم آسمان جو تمھارے سروں پر پھیلا ہوا ہے، اس کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا تمھارا پیدا کیا جانا؟ اگر اس کائنات کا خالق

اس آسمان کے بنانے پر قادر ہو سکتا ہے تو دوسرا کون سا کام ہے جو اس سے زیادہ مشکل ہے کہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا!

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا (۲۸-۲۹)

یہ آسمان کے اندر خدا کی عظیم قدرت و حکمت کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے تاکہ جو لوگ دوبارہ پیدا کیے جانے کو بعید از امکان سمجھ رہے ہیں وہ غور کریں کہ جس خدا کی قدرت کی یہ شانیں وہ ہر وقت دیکھ رہے ہیں اس کے لیے کسی کام کے ناممکن ہونے کا کیا سوال؟

'سَمْكٌ' کے معنی چھت کے ہیں۔ فرمایا کہ اس نے آسمان کو بنایا، اس کی چھت کو بلند کیا اور پھر اس کو اس طرح ہموار کیا کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ اس کے کسی کونے میں کسی خلل کی نشاندہی کر سکے۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا یعنی پہلے اس کے اندر رات ہی رات تھی۔ وہ جیسا کہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں اشارہ ہے، دھوئیں کی شکل میں تھا۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی رات ڈھانک دی۔ اس کے حصہ کی روشنی نمودار کی، رات اور دن دونوں کو ایک نظام کا پابند بنا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا اس جہان پر رات طاری کر دینے پر قادر ہے، کیا اس کے لیے دنیا کے مرکھپ جانے کے بعد اس کو دوبارہ پیدا کرنا ناممکن ہو جائے گا؟ زیادہ مشکل پہلا کام ہے یا دوسرا؟

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۡ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۙ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۙ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۳۰-۳۳)

آسمان کی نشانیوں کے بعد یہ زمین اور اس کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی اور مقصود اس سے بھی، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، خدا کی قدرت اور اس کی پروردگاری کی طرف توجہ دلانا ہے کہ جس خدا نے زمین کو ہمارے لیے بچھایا، اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا، اس کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے اس کے اندر پہاڑوں کو گاڑا، کیا تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے گا؟ جب اس نے یہ سارے کام کیے اور اس کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی تو ایک اپنی ہی پیدا کی ہوئی مخلوق کو دوبارہ پیدا کر دینا کیوں دشوار ہو جائے گا!

'مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ' یہ اس ربوبیت کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس زمین کے چپہ چپہ پر نمایاں ہے۔ فرمایا کہ دیکھو تو معلوم ہو گا کہ تمہارے رب نے صرف تمہاری ہی ضرورت کا سامان نہیں کیا ہے بلکہ تمہاری خدمت کے لیے چوپائے پیدا کیے ہیں، ان کی ہر احتیاج کا بھی پورا انتظام فرمایا ہے۔ اب غور کرو کہ جس پروردگار نے تمہاری پرورش کے لیے آسمان سے لے کر زمین تک یہ اہتمام فرمایا ہے کیا اس نے تمہیں محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ کچھ عرصہ تک اس زمین میں کھاؤ پیو اور ایک دن ختم ہو جاؤ؟ اس سے اس کو کچھ بحث نہیں کہ تم میں سے کس نے نیکی کی زندگی بسر کی اور کس نے بدی کی؟ کس نے اپنے رب کی نعمتوں کا

حق پہچانا اور کس نے اندھے بہرے پن کی زندگی گزاری؟

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ مفروضہ بالکل باطل ہے۔ یہ مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دنیا محض ایک بازیچۂ اطفال ہے۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ العیاذ باللہ اس کا خالق حکیم نہیں، بلکہ ایک کھلنڈرا ہے جس کے نزدیک نیکی اور بدی میں کوئی امتیاز سرے سے ہے ہی نہیں —— غور کیجیے کہ کیا اس کائنات کے عظیم خالق کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے!

ایک سوال اور اس کا جواب

'وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا' کے الفاظ سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمین کی خلقت آسمان کے بعد ہوئی ہے؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۱۱ میں زمین اور اس کی بعض اہم نشانیوں کی تخلیق کے بعد فرمایا ہے کہ 'ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ' (پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ اس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا) جس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین کے بعد ہوئی ہے —— اس سوال کا جواب ہم حٰمٓ السجدۃ کی مذکورہ آیت کے تحت دے چکے ہیں۔ براہ کرم اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

یہاں اجمالاً صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ قرآن نے آسمان اور زمین کی تعمیر سے متعلق جو تصور دیا ہے وہ ایک مکان کی صورت میں دیا ہے جس میں آسمان کی حیثیت چھت کی اور زمین کی حیثیت فرش کی ہے۔ کسی مکان کا نقشہ جب بنایا جاتا ہے تو اس میں چھت اور فرش دونوں بیک وقت مدنظر ہوتے ہیں اور دونوں کا خاکہ ایک ہی ساتھ تیار کر لیا جاتا ہے لیکن تعمیر کے مختلف مراحل میں کبھی فرش اور اس کے متعلقات پر کام ہوتا ہے اور کبھی چھت اور اس کے اطراف پر۔ اس وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے آسمان پیدا ہوا یا زمین۔ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں اگرچہ باوّلِ وہلہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ پہلے زمین کی تخلیق ہوئی لیکن ساتھ ہی اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جب خالق نے آسمان کی تعمیر کا قصد فرمایا تو وہ دھوئیں (یا سائنس دانوں کی اصطلاح میں سحابیے کی شکل میں) موجود تھا۔ اسی طرح یہاں زیر بحث آیت میں اگرچہ متبادر یہی ہوتا ہے کہ آسمان پہلے وجود میں آیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ ایک خاص مرحلۂ تعمیر کی بات ہو جس کے بعد زمین کی تعمیر کا آخری مرحلہ (یعنی اس کا بچھایا جانا) عمل میں آیا ہو۔ اس عظیم اور ناپیداکنار کائنات کی تعمیر کا معاملہ ایسا نہیں ہے جو ہماری محدود عقل کی گرفت میں آ سکے۔ اس کے تمام مراحل کا احاطہ اللہ تعالیٰ کا محیطِ کل علم ہی کر سکتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰی (۳۴)

'اَلطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰی' کے معنی بڑی ہلچل اور بڑے ہنگامہ کے ہیں۔ مراد اس سے قیامت ہے۔ اس کے بعد اس شرط کا جواب برنبائے قرینہ محذوف ہے۔ اس طرح کے حذف کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں اور اس کی بلاغت بھی ہم واضح کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ بڑا ہنگامہ برپا ہوگا تو یہ

آسمان وزمین سب درہم برہم ہو جائیں گے۔

یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی (۳۵)

یہ 'یَوْمَ' جواب شرط محذوف کا ظرف ہے جس طرح آیت ۶ میں 'یَوْمَ' مقسم علیہ محذوف کا ظرف ہے۔ یعنی اس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا۔ آج تو اس کو غفلت کی سرمستی میں کچھ ہوش نہیں کہ وہ کیا بنا رہا ہے، جب اس کو اس دن سے ڈرایا جاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتا ہے، لیکن اس دن اس کو ہوش آئے گا اور وہ دیکھے گا کہ وہ دنیا میں کیا کمائی کر کے آیا ہے۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی (۳۶)

جہنم تیار ہے صرف پردہ اٹھنے کی دیر ہے

آج تو اسے آخرت اور جہنم بہت بعید از امکان نظر آتی ہے لیکن اس دن جہنم ان لوگوں کے لیے بے نقاب کر دی جائے گی جن کو اس سے دوچار ہونا ہے۔ بے نقاب کر دی جائے گی، یعنی وہ بالکل تیار ہے۔ بس پردہ اٹھنے کی دیر ہے۔ پردہ اٹھتے ہی وہ ان سب کے سامنے ہو گی جو اس کو آنکھوں دیکھے بغیر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

'لِمَنْ یَّرٰی' یعنی جن کے لیے، ان کے اعمال کی پاداش میں، اس کا دیکھنا مقدر ہے وہ اس کو دیکھیں گے۔ رہے اللہ کے وہ بندے جو بن دیکھے ہی اس سے لرزاں و ترساں رہے ہیں، اللہ ان کو اس سے دور رکھے گا۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی (۳۷-۳۹)

فرمایا کہ جس نے اس دنیا میں سرکشی کی ہو گی اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہو گی اس دن اس کا ٹھکانا بس جہنم ہی بنے گی جس سے اس کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہو گا۔ پیچھے آیت ۱۷ میں فرعون کے طغیان کا ذکر گزر چکا ہے یہاں 'اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا' سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس طغیان میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو آخرت کو نظر انداز کر کے اسی دنیا کے پجاری بن جاتے ہیں، اس سے الگ ہو کر وہ کسی چیز کو سوچنے اور ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔

'فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی' میں حصر کا مضمون ہے یعنی پھر ان کے لیے جہنم ہی جہنم ہے، کوئی اور راہ ان کے لیے کھلنے والی نہیں ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (۴۰-۴۱)

البتہ وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرتے رہے اور دنیا کے پیچھے بھاگنے کے بجائے جنہوں نے اپنے نفس کو خواہشوں کی پیروی سے روکا تو ان کا ٹھکانہ بس جنت ہی ہو گی وہ اس سے کبھی محروم نہ ہوں گے۔

'مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ' سے مراد خدا کے حضور پیشی سے ڈرنا ہے۔ سورۂ مطفّفین میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے:

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ	کیا وہ یہ گمان نہیں رکھتے کہ وہ ایک بھاری
لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ	دن کی حاضری کے لیے اٹھائے جانے والے
لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ	ہیں؟ جس دن لوگ خداوندِ عالم کے حضور
(المطفّفین - ۸۳: ۴-۶)	پیشی کے لیے اٹھیں گے!

اسی پیشی کا ڈر ہے جو انسان کو خواہشوں کی پیروی سے روکتا ہے۔ یہ ڈر نہ ہو تو نفس کو خواہشوں کے پیچھے بھاگنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا (۴۲)

نبی صلعم کو تسلی

یہ اور اس کے بعد خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تم ان لوگوں کی پروا نہ کرو جو تمھیں زچ کرنے کے لیے قیامت کے ظہور کا وقت پوچھتے ہیں۔ تمھارا کام اس سے لوگوں کو آگاہ کر دینا ہے تاکہ جو متنبہ ہونا چاہیں وہ متنبہ ہو جائیں۔ رہے وہ جو اس کو دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں اور اس کے ظہور کا وقت معلوم کرتے کے درپے ہیں ان کو مطمئن کرنا تمھاری ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ انھوں نے محض اس کی تکذیب کے لیے ایک بہانہ بنایا ہے۔

'اَیَّانَ مُرْسٰىهَا' یعنی یہ اس کے ظہور کے وقت سے متعلق سوال کرتے ہیں۔ 'اَیَّانَ' وقتِ مستقبل سے متعلق سوال کے لیے آتا ہے اس وجہ سے اس کا ترجمہ میرے نزدیک 'کہاں' صحیح نہیں ہوگا بلکہ 'کب' ہونا چاہیے۔

'مُرْسٰی' کے معنی لنگر انداز ہونے کے ہیں۔ اس لفظ میں یہاں ایک قسم کا طنز مضمر ہے۔ یعنی یہ منکرین پوچھتے ہیں کہ ہم کب سے یہ خبر سن رہے ہیں کہ بس قیامت آیا ہی چاہتی ہے لیکن اس کو نہ آنا تھا نہ آئی۔ آخر اس کا سفینہ ہمارے ساحل میں کب لنگر انداز ہوگا! اس کے انتظار میں تو ہماری آنکھیں پتھرا گئیں!

فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا (۴۳-۴۴)

فرمایا کہ تمھیں اس بحث سے کیا تعلق؟ اس کا سرا تو صرف تمھارے رب کے پاس ہے۔ تم ان لوگوں کو یہ بتانے نہیں آئے ہو کہ قیامت کس دن آئے گی؟ اس کا علم تمھارے رب کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے تو جو سوال سرے سے تم سے متعلق ہے ہی نہیں تمھیں اس سے کیا واسطہ اور تم اس کی کھوج کرید میں کیوں پڑو! اس کو اللہ کے حوالہ کرو جو اس کا حقیقی علم رکھنے والا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىهَا (۴۵)

جو لوگ قیامت کو دیکھ کر اس کو ماننا چاہتے ہیں ان کی ذمہ داری تمھارے اوپر نہیں ہے۔ ان کو

ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تمھارا انذار صرف انھی پر کارگر ہوگا جو دلائل کی روشنی میں اس کو بن دیکھے ماننے اور اس سے ڈرنے کے لیے تیار ہوں۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (۴۶)

یعنی آج اگر ان کو یہ دکھائی نہیں جاتی یا اس کی تاریخ نہیں مقرر کی جاتی تو اس مغالطہ میں نہ رہیں کہ وہ اتنی دور ہے کہ اس کے لیے انھیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس دن اس کو دیکھیں گے اس دن کا احساس یہ ہوگا کہ گویا دنیا میں وہ ایک دن کے پچھلے یا اس کے پہلے پہر سے زیادہ نہیں رہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

رحمان آباد

۲۷ / اپریل ۱۹۷۹ء

۲۹ / جمادی الاوّل ۱۳۹۹ھ